۳

اسلامی قانون کے مآخذ

مأخذِ سوم الاجماع

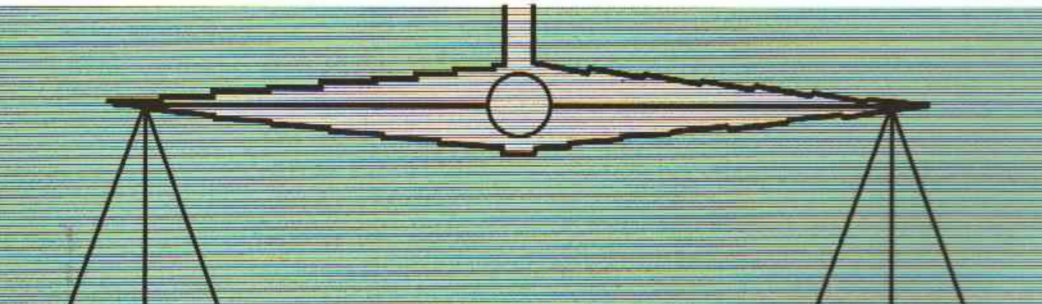

شریعۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اِسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۳)

اسلامی قانون کے ماخذ

ماخذ سوم - اجماع

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلامی قانون کے مآخذ

مأخذ سوم۔اجماع

تالیف: شہزاد اقبال شام

نظر ثانی وراہ نمائی: ۱۔ جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن

۳۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی

نگران شعبہ مطالعہ اسلامی قانون: ڈاکٹر عرفان خالد ڈِھلوں

نگران منشورات: ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین

ناشر: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

طابع: اظہار پرنٹرز۔۹، ریٹی گن روڈ لاہور

طباعت اوّل: ۱۹۹۳ء ، دوم: ۱۹۹۶ء ، سوم: ۲۰۰۲ء

چہارم: ۲۰۰۳ء ، پنجم: ۲۰۰۴ء ، ششم: ۲۰۰۶ء

قیمت: ۳۰ روپے

فہرست مضامین

	صفحہ
۱۔ تمہید	۱
۲۔ اجماع کی تعریف	۱
(۱) اجماع کا مسلمان مجتہدین کے ذریعے ہونا	۲
(۲) اجماع کے لئے تمام مجتہدین کا متفق ہونا	۳
(۳) اجماع مجتہدین ہی کے ذریعے	۴
۳۔ اجماع کی مشروعیت	۴
(۱) قرآن سے	۵
(۲) سنت سے	۸
۴۔ اجماع کے بارے میں صحابہ کرام کا طرز عمل	۹
۵۔ اجماع کا دائرہ کار	۱۰
(۱) قرآن و سنت کے احکام کی تنفیذ	۱۰
(۲) نئے حالات کے مطابق شرعی احکام کی نئی تعبیر	۱۲
(۳) شرعی مقاصد کی روشنی میں نئے مسائل پر قرآن و سنت کے احکام کی تنفیذ	۱۲
(۴) صحابہ کرام کی آراء میں سے کسی ایک رائے کی دوسری رائے پر ترجیح	۱۳
۶۔ ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۴
۷۔ اسلامی ریاست میں اجماعی فیصلوں کی قانونی حیثیت	۱۵
۸۔ اجماع کی اقسام	۱۵
(۱) اجماع صریح یا نطقی	۱۶
(۲) اجماع سکوتی اور اس کے بارے میں فقہاء کی آراء	۱۶

ا۔ پہلا مکتب فکر ۱۶
ب۔ دوسرا مکتب فکر ۱۷
ج۔ تیسرا مکتب فکر ۱۷
د۔ چوتھا مکتب فکر ۱۷
و۔ پانچواں مکتب فکر ۱۷
ھ۔ اجماع سکوتی کی شرائط ۱۸
۹۔ دوسرے قوانین میں اجماع کا تصور ۱۹
۱۰۔ صحابہ کرام کے چند اجماعی فیصلے ۲۰
۱۱۔ اجماعی فیصلوں کی تنسیخ بذریعہ اجماع جدید ۲۱
(ا) اجماعی فیصلوں میں اختلاف ۲۱
(۲) نئے مجتہدین کی آراء میں اختلاف ۲۲
۱۲۔ اجماع موجودہ دور میں ۲۲
۱۳۔ شوریٰ اور اجماع میں فرق ۲۳
۱۴۔ کیا قانون سازی بذریعہ مجلس شوریٰ اجماع ہے ۲۴
۱۵۔ خلاصہ کلام ۲۵
۱۶۔ مزید مطالعہ کے لئے ۲۷
۱۷۔ حواشی و حوالہ جات ۲۷
۱۸۔ مصادر و مراجع ۲۸

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی، یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً" زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار

میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں' لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں' کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل' ایک فکری تبدیلی' ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی انقلاب سے عبارت ہے۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی' دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی مآخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں' جن کو رائج الوقت قانونی' دستوری' اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو' جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور اسلامی تعلیم کے مراکز میں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً'' ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کا ہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشر و اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصر مدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء، طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کردیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

زیر نظر یونٹ۔ ایک مختصر تعارف

ثانوی مصادر تشریعی میں سے ترتیب کے اعتبار سے سب سے پہلے اجماع کا درجہ آتا ہے۔ اگرچہ بعض اصولیین نے قیاس کے بعد اجماع کا ذکر کیا ہے، تاہم فقہاء کی غالب اکثریت کے ہاں موجودہ ترتیب ہی کو قبول عام حاصل ہوا ہے جس کے تحت قرآن و سنت کے بعد اجماع اور پھر قیاس کا ذکر آتا ہے۔ اجماع کا شمار عموماً ثانوی مصادر تشریعی میں کیا جاتا ہے، اس لئے کہ قانون کے میدان میں نئی آراء کو اجماع ہی کی بنیاد پر قبول عام حاصل ہوتا ہے۔ گویا اسلام میں نئی قانون سازی کی اصل بنیاد اجماع ہی ہے۔ قرآن و سنت میں مذکور احکام اور فقہ کے عمومی اصول و کلیات کے اندر رہتے ہوئے تبدیل شدہ حالات میں نئی قانون سازی کا آغاز اول اجتہاد کے ذریعے ہوتا ہے اور جب بہت سے مجتہدین کے اجتہادات کو قبول عام حاصل ہو جائے اور وہ ایک متفقہ رائے یا نقطہ نظر میں تبدیل ہو جائے تو وہ اجماع کہلاتا ہے۔

اس یونٹ میں موضوع کے تعارف کے بعد قرآن و سنت سے اجماع کی مشروعیت کے دلائل فراہم کئے گئے ہیں، نیز آثار صحابہ سے اجماع کے نظائر پیش کئے گئے ہیں۔ اجماع کے ذریعے کن کن امور میں قانون سازی کی جا سکتی ہے، اجماعی فیصلوں کی قانونی حیثیت، اجماع کی اقسام، صحابہ کرام کے چند اجماعی فیصلے، موجودہ دور میں اجماع کا اسلوب اور طریق کار، اجماع اور شوریٰ میں فرق، یہ وہ چند موضوعات ہیں جن کی جانب اس یونٹ میں اشارے کئے

گئے ہیں۔ فقہ اسلامی میں اجماع کی اہمیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، بالخصوص بیسویں صدی میں امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ ہی اس نے ایک نئے انداز سے اہمیت اختیار کرلی ہے۔ عوامی نمائندوں کے ذریعے کی جانے والی قانون سازی اور پارلیمنٹ کا ادارۂ اجماع میں عمل دخل، اس صدی کے علمی و فقہی مباحث میں اہم موضوعات رہے ہیں۔ ابتداء میں متجددین نے اس بارہ میں بے دریغ غلط فہمیاں پھیلائیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی غلط فہمیاں دور ہو چکی ہیں، پھر بھی کئی اہم تصورات کو عام کرنا اب بھی وقت کی ضرورت ہے۔ زیر نظر یونٹ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

وطن عزیز میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کے فروغ کے ساتھ ساتھ قوانین کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا کئی حوالوں سے بڑا اہم ہے جس کی تفصیل بیان کرنے کا یہاں نہ موقع ہے اور نہ ضرورت، تاہم یہ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کئی دوسرے تصورات کے ساتھ ساتھ فقہ اسلامی کے اس اہم ادارہ، یعنی ادارہ اجماع کا بھرپور تعارف آج وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اگرچہ دوسرے حوالوں سے فقہ اسلامی کا ایک مبسوط تعارف بھی اتنا ہی اہم ہے۔ تاہم ہماری اسکیم میں دوسرے موضوعات کے ساتھ ساتھ چونکہ اجماع کا تعارف بھی شامل ہے اس لئے یہ یونٹ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ سے قارئین میں تشویق پیدا ہوگی جو بالاخر انہیں فقہ اسلامی کے ایک بھرپور مطالعہ کی طرف راغب کرے گی۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اپنی آراء سے آگاہ کریں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۵ / رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ
۱۵ / جنوری ۱۹۹۷ء

تمہید

زمان و مکان میں تبدیلی، آلات و اوزار کی ہیئت میں جدت، تہذیب میں تغیر، پیمانوں اور ظروف میں علاقائی اور زمانی تفریق اور جغرافیائی اور کائناتی اکتشافات کے باعث انسانی زندگی ہر لحظہ نت نئے مسائل سے دوچار ہوتی رہتی ہے۔ نوع انسان ازل سے تبدیلیوں کی زد میں رہی ہے۔ اس لئے ایسے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں جن کو محض عقلی طور پر حل کرنا انسانوں کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ انسانی تہذیبیں اپنے ہی تجربات سے یہ بات ثابت کرچکی ہیں کہ ایسے مسائل کے حل کے لئے کسی نہ کسی خارجی راہ نمائی کا ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی نے انسانی مزاج و طبیعت کے موافق ایک طرف تو قرآن و سنت کے اصول و کلیات کے ذریعے سے قانون کا وہ دائرہ وضع کردیا ہے جس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے نہ اضافہ و تبدیلی، اور نہ اس قانون کی تنسیخ ممکن ہے۔ مثال کے طور پر قرآن و سنت میں وصیت کے احکام واضح ہیں۔ وراثت کے حق داروں کی مکمل فہرست بھی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ ان احکام کی موجودگی میں اور وراثت کے جائز حصہ داروں کے ہوتے ہوئے اسلامی ریاست اس بابت مزید قانون سازی نہیں کر سکتی۔ البتہ بعض معاشرتی تبدیلیوں کی وجہ سے قرآن و سنت کے ان احکام پر عمل درآمد کرانے کے اسلوب بدل سکتے ہیں۔

دوسری طرف نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے شریعت اسلامی نے ایک الگ دائرہ وضع کیا ہے۔ جس کا مقصد بھی قانون سازی ہے۔ اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے اور قرآن و سنت کے احکام کی خلاف ورزی کئے بغیر، مسلمانوں کو بعض میدانوں میں قانون سازی کا اختیار دیا ہے۔ اس قانون سازی کو شرعی اصطلاح میں اجتہاد یا قیاس کہا جاتا ہے۔ جب قیاس یا اجتہاد اجتماعی شکل اختیار کرلے تو اسے اجماع کہتے ہیں جو قرآن و سنت کے بعد شریعت اسلامی میں تیسرا مسلمہ ماخذ قانون ہے جس کی اپنی حدود ہیں۔ قرآن و سنت کے احکام کی روشنی میں اجماع کے ذریعے جو قانون سازی کی جاتی ہے اس کو مسلمان امت کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

اجماع کی تعریف

لغت میں اجماع سے مراد عزم و اتفاق ہے۔ کچھ چیزوں کے باہم اکٹھے ہونے پر اجماع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ وَشُرَكَآءَكُمۡ (یونس، ۱۰:۷۱)

(اے برادران قوم) پس تم ایک متفقہ فیصلہ کرلو اور اپنے شریکوں کو اکٹھا کر لو

اسی طرح حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔

اذالم یجمع الرجل الصوم من اللیل فلا یصم (۱)

جب آدمی نے روزے کو رات میں جمع نہیں کیا تو (گویا) اس نے روزہ نہیں رکھا۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ رکھنے کا عزم نہیں کیا، یعنی پختہ ارادہ نہیں کیا تو روزہ متصور نہیں ہو گا۔ ان دو مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجماع کے معنی کسی بات پر اتفاق ہونا، اشیاء کو جمع کرنا، اور لوگوں کو کسی جگہ، مقام یا نکتہ پر اکٹھا کرنا ہے۔ اسی لغوی مماثلت کی وجہ سے جب امت مسلمہ کے مجتہدین کسی رائے پر مجتمع ہو جائیں تو اس عمل کو اجماع کہتے ہیں۔

اجماع کی ایک اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں ہے:

الاجماع هو اتفاق جميع المجتهدين من الامة الاسلامية في عصر من العصور بعد وفاة الرسول صلى الله عليه وسلم على حكم شرعي (۲)

اجماع سے مراد یہ ہے کہ امت مسلمہ کے تمام مجتہدین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد، کسی بھی دور میں کسی حکم شرعی پر اتفاق کر لیں۔

اس شرعی تعریف سے ہمیں تین باتیں ملتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اجماع کا مسلمان مجتہدین کے ذریعے ہونا

اسلامی ریاست اور مسلمانوں کے مسائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ان کا حل تلاش کرنا، ان لوگوں کے ذمہ ہے جو اسلام کی حقانیت پر پختہ اور غیر متزلزل یقین رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی غیر مشروط اطاعت کرتے ہوئے حدود اللہ کا خیال رکھتے ہوں۔ حلال و حرام اور اوامر و نواہی کا علم رکھتے ہوں، اور شعائر اسلام کے محافظ ہوں۔ جو شخص دائرہ اسلام سے باہر ہو، وہ دین اسلام کے بارے میں معلومات اور علم تو حاصل کر سکتا ہے لیکن رائے دینا یا مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں فیصلے کرنا، اس کا مقام و مرتبہ نہیں ہے۔ وہ ان امور میں کسی

رائے کا اظہار کرے تو شریعت اسے قبول نہیں کرتی۔ عین ممکن ہے کہ کسی غیر مسلم عالم کی رائے دوسرے مسلمان مجتہدین کی رائے کے مطابق ہو، لیکن اسلامی شریعت کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے جب تک رائے دینے والا فرد دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو جاتا۔ اس سے قبل اس کی رائے مسلمان مجتہدین و علماء کبھی اپنی تائید میں استعمال نہیں کرتے۔ اسلامی علوم پر کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے، شرعی امور پر غیر مسلم عالم کی رائے کا حوالہ کہیں بھی نہیں ملتا۔

مسلمان مجتہدین کے ذریعے اجماع کے منعقد ہونے کا یہ تصور قرآن حکیم کی اس مشہور آیت میں ملتا ہے جو سورۃ النساء میں آئی ہے۔

يٰاَيُّهَاالَّذِ يْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِمِنْكُمْ

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی، اور اپنے میں سے اہل اختیار کی۔ (النساء ۴: ۵۹)

اس آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے جنہیں حکم دیا جارہا ہے کہ "اپنے میں سے (منکم)" اہل اختیار کی اطاعت کریں۔ اہل اختیار کی تفصیلی بحث اگلی سطور میں آرہی ہے۔ تاہم یہاں یہ بتا دینا کافی ہے کہ اہل اختیار سے مراد مسلمان مجتہدین ہی ہیں جن کا مسلمانوں میں سے ہونا ضروری ہے۔ "منکم" سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ اجماع کے لئے تمام مجتہدین کا متفق ہونا

کسی زیر بحث مسئلے کے حتمی نتیجے کے لئے امت مسلمہ کے کسی ایک دور کے تمام قابل ذکر مجتہدین کا متفق ہونا ضروری ہے۔ یہی اجماع کی اساس ہے جو اس کے مفہوم سے ظاہر ہے۔ البتہ شدت اور غلو سے بچنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ کسی وقت مسلمان علماء کی بہت بڑی اکثریت کسی مسئلہ پر متفق ہو، اور اس کی مخالفت میں مجتہدین کی تعداد صرف اسی قدر ہو جس کا ذکر بے معنی ہو تو ایسی صورت میں اجماع منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی مسئلہ پر علماء کی اکثریت ایک خیال پر متفق ہو اور اس کے برعکس خیال کے حامی علماء اقلیت میں ہونے کے باوجود اتنی تعداد میں ہوں کہ ان کو نظر انداز کرنا ممکن نہ ہو اور ان کا علمی مرتبہ بھی بہت بلند ہو تو اس صورت میں اکثریت کا اجماع شرعی طور پر قابل قبول نہیں ہے۔ مگر اکثریت کی رائے سے اختلاف رکھنے والی اقلیت بہت معمولی ہو تو اس صورت میں اجماع ہو جاتا ہے یہ رائے ابوالحسن الخیاط، طبری، اور رازی کی ہے ان کی رائے الزحیلی یوں لکھتے ہیں:

ینعقد الاجماع مع مخالفه الواحد والاثنین (۳)

ایک دو افراد کی مخالفت کے باوجود بھی اجماع منعقد ہو جاتا ہے۔

لیکن جمہور کی رائے میں ایسا اجماع بھی منعقد نہیں ہوتا۔

اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اجماعی مسائل میں دور جدید کی رائے شماری یا اس سے مماثل دوسرے طریقے، شریعت کے مزاج اور روایات سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ بلکہ اجماع سے مراد یہ ہے کہ قرآن و سنت میں نہ ملنے والے کسی مسئلہ کو قرآن و سنت ہی کی تعلیمات کی روشنی میں، مقدور بھر غورو فکر اور کوشش کے بعد حل کیا جائے۔ یہ غور و فکر صرف مجاز افراد (Authorised Jurists) ہی کر سکتے ہیں۔

۳۔ اجماع مجتہدین ہی کے ذریعے

اجماعی مسائل پر بحث اور نقد و جرح کے اہل صرف وہ لوگ ہیں جو قرآن و سنت کا مناسب علم رکھتے ہوں۔ عامتہ الناس کا یہ حق تو مسلم ہے کہ وہ بھی دین کا علم حاصل کریں۔ اور ضروری شرائط پوری کر کے دینی معاملات کے بارے میں رائے دیں۔ لیکن محض کلمہ گوئی کے بعد رائے دینے کے منصب پر کسی کو فائز کرنا یا ہو جانا، اسلام کے مزاج میں نہیں ہے۔ قرآن و سنت پر ایمان لانا اور ان پر یقین رکھنا الگ شے ہے، اور ان کا مناسب علم حاصل کر کے دوسروں کی راہ نمائی کرنا اس سے بلند رتبہ ہے۔ جس طرح شریعت اسلامی کسی بھی مسلمان کو اس بات سے قطعاً" نہیں روکتی کہ وہ ضروری علمی صلاحیت حاصل کر کے اجتہاد کے منصب تک پہنچ سکے۔ اسی طرح شریعت اسلامی، ان اشخاص کو بھی مسلمانوں کی دینی اور فکری راہ نمائی کا حق نہیں دیتی جو قرآن و سنت، علم حدیث، اصول فقہ، عربی زبان اور دوسرے لوازم سے بے بہرہ ہونے کے باوجود ہر معاملہ میں رائے زنی کے شائق ہوں۔ مسلمانوں سے شریعت اسلامی کا کوئی مطالبہ ہے تو اس حد تک کہ مناسب شرائط پوری کیجئے تبھی اجتہادی مسائل پر رائے دہی کا اختیار مل سکتا ہے۔

اجماع کی مشروعیت (Legality)

اجماع کی مشروعیت قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے۔

ا- قرآن مجید سے

قرآن مجید میں اجماع کے حق میں مندرجہ ذیل آیت ہے:

یایھاالذ ین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں
سے اہل اختیار کی۔ (النساء '۴:۵۹)

اس آیت میں اللہ' اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرنے کے بارے میں حکم دیا گیا ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا تعلق ہے تو یہ واضح ہے' اللہ تعالیٰ کے احکام قرآن مجید کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ان احکام پر عمل کرنا اور اس کے اوامر اور نواہی کا سختی سے خیال رکھنا ہی اللہ کی اطاعت کہلاتا ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت بھی واضح ہے جو رسول اللہ کی پیروی اور ان کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ آپ کی سنت کا ذخیرہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ البتہ اولی الامر کی پیروی کا معاملہ تھوڑی سی تشریح کا تقاضا کرتا ہے۔

لغوی اعتبار سے اولی الامر سے مراد' وہ لوگ ہیں' جو کسی طرح کا اختیار رکھتے ہیں۔ حکومت کے اعلیٰ حکام' جن کے پاس سطوت اور قوت ہوتی ہے' اولی الامر کہلاتے ہیں۔ شرعاً" اولی الامر میں بہت سے افراد اور مختلف درجوں اور مراتب کے حامل حکام و علماء شامل ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر' کسی تحصیل یا تعلقہ کا اسسٹنٹ کمشنر اپنی تحصیل کے باشندگان کے لئے سرکار کی جانب سے دیئے گئے اختیارات کی حد تک صاحب امر یا با اختیار ہے۔ اس لئے اس آیت کی روشنی میں اس کے اختیارات تک اس کی اطاعت واجب ہے۔ علی ہذاالقیاس یہ سلسلہ صوبے کے گورنر سے ہوتا ہوا' ریاست کے سربراہ تک جا پہنچتا ہے۔ یہ سب افراد اپنے اختیارات کی حد تک اولی الامر ہیں۔ عدلیہ کے میدان میں سول جج اپنے اختیارات کے اعتبار سے' ضلعی عدالت کا سربراہ وسعت اختیار کے ہوتے ہوئے' عدالت عالیہ کا جج صوابدیدی اختیارات کی بناء پر' اور عدالت عظمیٰ کے جج اپنے حتمی اختیارات کے دائرے میں باشندگان مملکت کے لئے اولی الامر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی مثال فوج کے جوانوں' افسروں اور اعلیٰ افسروں کے بارے میں بھی قیاس کی جا سکتی ہے۔ دنیاوی امور میں علماء کرام اپنے منصب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے' لوگوں کے لئے ایک خاص حد تک اولی الامر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے لوگ دینی و فقہی امور میں اپنے معاملات و

تنازعات کے بارے میں راہ نمائی حاصل کرنے کی غرض سے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں' اور ان کی آراء اور فتاویٰ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

گویا اولی الامر میں وہ تمام اشخاص شامل ہیں جنہیں کسی خاص میدان میں عامتہ الناس کی زندگی میں راہ نمائی کے لئے کوئی اختیار حاصل ہو۔ یہ اختیار قانونی منظوری سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے سرکاری حکام کے معاملے میں' اور شرعی و اخلاقی پابندیاں قبول کرتے ہوئے کچھ لوگوں کے مقام اور مرتبے کو از خود تسلیم کر کے ان کے احکام کو ماننے سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے علماء کرام کی آراء پر عمل کرنا' اور بلدیاتی اداروں کے ارکان اور دوسرے لوگوں کے ثالثی فیصلوں کو ماننا وغیرہ۔

اس تشریح کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ بالا آیات کو دوبارہ پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام افراد اس آیت کی روشنی میں اطاعت کے حق دار ہیں' بشرطیکہ یہ افراد اطاعت کا تقاضا اپنے اپنے میدانوں میں کریں جو ان کے لئے مخصوص ہیں' اور جن میں وہ اختیارات رکھتے ہوں۔ ایک سول جج کے فیصلے کی اطاعت اسی صورت میں کی جا سکتی ہے جب وہ رائج الوقت قانون کے مطابق اس کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے فیصلہ کرے۔ وہ کسی ایسے معاملہ میں اطاعت چاہتا ہو جس کا اختیار قانون نے اسے نہ دیا ہو' تو اس معاملہ میں وہ اولی الامر نہیں ہے۔ اجماع کے تناظر میں' اولی الامر سے مراد اسلامی ریاست کے وہ اعلیٰ احکام ہیں' جو ریاست کے انتظام و انصرام میں دخیل ہوں' جب وہ اسلامی ریاست کے لئے قانون سازی کر رہے ہوں تو اولی الامر کی اطاعت سے مراد ان کے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت ہے۔ جب کسی ضلع کا ڈپٹی کمشنر اپنے ضلع کی حدود میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر (اذان کے سوا) پابندی لگائے' تو وہ رائج الوقت ملکی قانون پر افراد سے عمل کروا رہا ہوتا ہے۔ عدلیہ کے معزز ارکان کے عدالتی فیصلوں کو بھی اولی الامر کے فیصلے کہا جا سکتا ہے۔ آیت کا مزید غور سے مطالعہ کرنے سے یہ تصور اور بھی محدود ہو سکتا ہے۔ فرمایا اللہ کی اطاعت کرو (جو کائنات کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ اور قانون سازی کے جملہ اختیارات اسی کے پاس ہیں)۔ اس کے بعد رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر اولی الامر کی اطاعت کا ذکر ہے۔ اس لئے منطقی طور پر اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اولی الامر وہی ہو سکتے ہیں جن کا درجہ نبی کے بعد ہو۔ یہاں پر قانون سازی کا ذکر مطلوب ہے۔ لہٰذا اللہ' اس کا رسول اور پھر قانون سازی کے اختیارات رکھنے والے تمام اصحاب اولی الامر کہلاتے ہیں۔

اولی الامر کے بارے میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں۔ مسلمانوں میں سے ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ محض نسلی اعتبار سے مسلمان ہوں، اور عقائد کے اعتبار سے چاہے پختہ صاحب ایمان نہ ہوں، بلکہ مسلمانوں میں سے ہونے سے مراد یہ ہے کہ نہ صرف وہ غیر مسلم نہ ہوں بلکہ عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں کی طرح ہوں۔ غیر مسلم افراد اسلامی ریاست میں دوسرے کئی اعلیٰ عہدوں پر فائز تو ہو سکتے ہیں لیکن قانون سازی کے مفہوم میں وہ اولی الامر نہیں ہیں۔ وہ مسلمانوں کی، کی ہوئی قانون سازی پر عمل درآمد بھی کرا سکتے ہیں۔ یا اس قانون سازی کے مطابق عام نوعیت کے وہ فیصلے کرنے کے مجاز بھی ہیں جن میں گہری فقیہانہ بصیرت درکار نہیں ہوتی، بلکہ مقدمے کی نوعیت ہی بتا دیتی ہے کہ اس کا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے۔

اجماع کی مشروعیت قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی ثابت ہے۔ مسلمانوں کے کچھ اوصاف بیان کرنے کے بعد ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اپنے معاملات باہمی مشاورت کے ذریعے طے کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (الشوریٰ، ۴۲:۳۸)

اور وہ (مسلمان) اپنے معاملات آپس کے مشورہ سے چلاتے ہیں

اس آیت میں مسلمانوں کی ایک صفت بیان کر کے ان کو مشاورت کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسلامی معاشرے میں اللہ کے نیک بندے اپنے معاملات میں باہمی مشاورت کے اصول کو اپنا کر مسائل حل کرتے ہیں۔ مشاورت کا طریقہ یہ ہے کہ تمام شرکاء کسی زیر بحث معاملہ پر اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ جب مل جل کر سب کسی حتمی نتیجے پر پہنچ جائیں، تو اسے متفقہ فیصلہ کہا جاتا ہے۔ لغت میں اسی متفقہ فیصلے کو اجماع کہا جاتا ہے۔ آیت کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ مشورہ یا مشاورت کی اجازت دے کر شارع نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ قرآن و سنت میں صراحتاً مذکور معاملات کے سوا، بے شمار معاملات میں پہلے سے کوئی راہ نمائی موجود نہیں ہے بلکہ حالات و ظروف کے مطابق ایسے مسائل کے حل کی ذمہ داری اولی الامر کو سونپ دی گئی ہے جو باہمی مشاورت کے ذریعے لوگوں کی قیادت کرتے ہیں۔

ایک اور آیت میں اجماع کی مشروعیت ذرا زیادہ واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله (آل عمران ' ۳:۱۵۹)

اور معاملات میں آپ ان سے مشورہ کیجئے پھر جب (مشورہ کے بعد) کسی بات

کا عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

اس آیت میں خطاب رسول اللہ سے ہے لیکن روئے سخن بعد میں آنے والے ہر خلیفہ ' سربراہ مملکت ' سپہ سالار اور کسی صوبے کے گورنر کی طرف ہے۔ اس آیت کا حکم عام ہے۔

۲۔ سنت سے

اجماع کی مشروعیت احادیث نبوی سے بھی ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ (۴)

میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو گی۔

اس سے یہ مراد ہے کہ امت مسلمہ کا اجتماعی ضمیر اس قسم کا نہیں ہے کہ برے کاموں کو اجتماعی طور پر قبول کرے ' یہ ممکن ہے کہ امت کے افراد کی بہت بڑی تعداد گمراہی کے کاموں میں انفرادی طور پر اعلانیہ حصہ دار ہو لیکن انہی افراد سے جب ان کاموں کے بارے میں اجتماعی طور پر رائے طلب کی جائے تو وہ متفقہ طور پر اس کے خلاف اپنی رائے دیں گے۔ کسی معاشرے میں رشوت یا بدعنوانی عام ہو جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس معاشرے کے افراد رشوت کو پسند بھی کرتے ہیں ' بلکہ اگر ان سے رشوت کے بارے میں رائے لی جاتی ہے تو ہر فرد رشوت کو ایک لعنت خیال کرتا ہے۔ اس لئے اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ امت کے افراد انفرادی اعتبار سے اپنی نجی زندگی میں کہیں کہیں اسلامی تعلیمات سے ہٹ کر زندگی بسر کر بھی رہے ہوں تو اجتماعی اعتبار سے گمراہی پر کبھی متفق نہیں ہوتے۔

امت مسلمہ کے اجتماعی فیصلوں کو قانونی حیثیت کا درجہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی مندرجہ ذیل موقوف حدیث سے بھی ملتا ہے اور انہی اجتماعی فیصلوں کا نام اجماع ہے۔

فما رائی المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن (۵)

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اس قول میں لفظ "المسلمون" مطلق ہے جس سے مراد امت مسلمہ کے عام و خاص تمام مسلمان ہیں۔ اس

لفظ سے مراد کوئی خاص طبقہ، محض علماء یا پڑھے لکھے افراد نہیں ہیں- بلکہ ہر کلمہ گو مسلمان "المسلمون" کی تعریف میں آتا ہے- جو بات یہاں پر کہی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے تمام کام اللہ کی پسند کے مطابق کرتے ہیں- یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کے پوشیدہ گوشے، ان کے انفرادی افعال اور آراء اللہ کی پسند کے مطابق نہ ہوں لیکن جب مل جل کر کسی معاملہ میں فیصلہ کرنے کا وقت آتا ہے تو مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں- یہ اس آیت کی تشریح کا ایک پہلو ہے-

"المسلمون" کا مطلق لفظ مسلمان امت کو اس کے فرائض کی طرف توجہ بھی دلا رہا ہے- جہاں تک امت مسلمہ کے اجتماعی فیصلوں کے درست ہونے کا تعلق ہے تو عقل سلیم یہ بات مانتی ہے کہ اس طرح کے فیصلوں کے لئے بھی ایک دائرہ ہے جس کے اندر رہتے ہوئے ہی ان اجتماعی فیصلوں کو قبولیت حاصل ہو سکتی ہے- رہے علمی اور فنی نوعیت کے معاملات تو اس بارے میں یہ اختیار اولی الامر کو حاصل ہے کہ وہ مناسب علمی اہلیت رکھتے ہوئے ضروری شرائط پوری کرنے کے بعد ان معاملات کو طے کریں- امام شوکانی کہتے ہیں:

> لا اعتبار بقول العوام فی الاجماع لا وفاقاً ولا خلافاً عند الجمهور لانهم لیسوا من اهل النظر فی الشرعیات ولا یفهمون الحجة- ولا یعقلون البرهان (٦)
>
> جمہور علماء کے نزدیک اجماع میں عوام کی بات چاہے موافقت میں ہو یا مخالفت میں، معتبر نہیں ہے- کیونکہ شرعی امور میں وہ (عوام) اہل نظر نہیں ہیں- اور وہ دلیل و حجت کا فہم بھی نہیں رکھتے-

اجماع کے بارے میں صحابہ کرام کا طرز عمل

رسول اللہ کے دور میں تو تمام مسائل کے حل کے لئے آپؐ کی ذات صحابہ کرام کے درمیان موجود تھی- صحابہ کرام کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپؐ سے رجوع کر لیتے تھے- آپؐ کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں کو جب نت نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا تو ان کے حل کے لئے زیادہ دشواری نہ پیش آئی- اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن و سنت میں مسائل کے حل کے لئے اصول و کلیات اتنی وضاحت سے بیان کر دیئے گئے ہیں کہ ان کی مدد سے ہر دور کے مسائل حل کئے جا سکتے ہیں- اس دور میں احادیث کے مجموعے مرتب حالت میں اس طرح نہیں تھے جس طرح

ہمیں سہولت سے دستیاب ہیں بلکہ آپؐ کے اقوال صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ تھے- یہ صحابہ کرام' خلفائے راشدین کے دور میں مختلف بلاد و امصار میں دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ کے لئے پھیل گئے- ان میں سے کوئی زندگی کے کسی ایک گوشے کے بارے میں حدیث کا علم رکھتا تھا' اور کوئی دوسرا صحابی معاملے کے کسی دوسرے پہلو کے بارے میں دوسری حدیث جانتا تھا- یہ صحابہ کرام حدیث کے بارے میں اپنا علم دوسروں تک بھی پہنچاتے تھے- پھر بھی ہر ایک کے لئے ممکن نہ تھا کہ حدیث کا مکمل علم حاصل کر سکے' یا کسی معاملہ پر اسے مشکل پیش آئے تو وہ تمام احادیث کے بارے میں جان سکے جس طرح ہم .سہولت ایسا کر سکتے ہیں- اس مشکل کو رفع کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو مدینہ سے باہر جانے سے روک دیا تاکہ ضرورت پڑنے پر ان سے احادیث حاصل کرنے میں آسانی رہے- اس بارے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ صحابہ کرام کی مجلس میں معاملہ پیش کر کے ان کی رائے حاصل کرتے' باہمی مشورے سے جو بات طے ہو جاتی' مسلمان آئندہ کے لئے اسی پر عمل کرتے- شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) اور صحابہ کرام کا یہ طرز عمل بعد کے ادوار میں اصطلاحی طور پر اجماع صحابہ کہلایا جس کی مثالیں آگے آ رہی ہیں-

اجماع کا دائرہ کار

اسلامی ریاست میں قرآن و سنت کے بعد قانون سازی کے لئے اجماع تیسرا ماخذ قانون ہونے کے باعث کئی معاملات میں قانون سازی کا اختیار رکھتا ہے- قرآن و سنت کے تفویض کردہ دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے بعض امور میں اجماع کا انعقاد ہو سکتا ہے- چند اجماعی معاملات مندرجہ ذیل ہیں-

۱- قرآن و سنت کے احکام کی تنفیذ

قرآن و سنت کے اصول اور کلیات' انسانی فطرت اور اس کے مزاج کے عین مطابق ہیں- انسانی تہذیب میں کتنا ہی ارتقاء کیوں نہ ہو اس کی فطرت کے بنیادی تقاضے کبھی تبدیل نہیں ہوتے- لیکن جہاں جہاں تہذیبی اور بعض دوسری تبدیلیوں کی وجہ سے انسانی حالات یا ماحول میں تغیر آتا ہے وہاں قرآن و سنت نے اپنے اصول و کلیات کی تنفیذ کے لئے لچک رکھی ہے- یہ تنفیذ اجماع کے ذریعے عمل میں آتی ہے- یہ بات ایک مثال سے واضح ہو سکتی ہے-

شادی کے بعد زوجین میں کسی وجہ سے اختلافات بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کر جائیں تو قبل اس کے

کہ خاوند طلاق کا اختیار استعمال کرے، یا بیوی تنگ آکر خلع کا مطالبہ کرے، قرآن ایک درمیانی صورت تجویز کرتا ہے۔ حکم خداوندی کہ ایسی حالت میں دونوں جانب سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے۔ دونوں حکم میاں بیوی کی شکایات سنئے، اور وجہ نزاع دریافت کرنے کے بعد اصلاح کی کوئی تدبیر کریں۔

جس وقت یہ حکم نازل ہوا، اس وقت شادیاں قبائلی معاشرے کے اندر ہوتی تھیں۔ اپنے قبیلے سے باہر شادی ہوتی تو بھی کسی دوسرے قبیلے ہی میں ہوتی تھی۔ ہر شخص لازماً" کسی قبیلے کا رکن ہوتا تھا۔ اس لئے مشکل وقت میں اسے اپنے قبیلے کی حمایت و نصرت کسی نہ کسی شکل میں مل جاتی تھی۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد میاں بیوی کے درمیان کہیں نزاع پیدا ہوا، تو قبائلی نظام کے اندر رہتے ہوئے اسے رفع کر دیا گیا۔

موجودہ دور میں قبائلی نظام کئی مسلم معاشروں سے تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ شہری تہذیب کے پھیل جانے کے باعث، شادیاں اب خاندانی روایات کے مطابق نہ ہونے کا رواج عام ہو چکا ہے۔ بعض حالات میں زوجین عام طور پر ایک دوسرے کے مکمل خاندانی کوائف تک سے واقف نہیں ہوتے۔ مشترک خاندان کا تصور تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ کئی معاشروں میں تو افراد کو قبیلے یا خاندان کے باقی افراد کا ادنیٰ سا تحفظ بھی حاصل نہیں رہا۔ ایسی حالت میں حکم (ثالث) کے مقرر کرنے کا منشا اس طرح پورا نہیں ہو سکتا، جیسے قبائلی نظام کے اندر ممکن تھا۔ لہٰذا ان بدلے ہوئے حالات میں ثالث مقرر کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ، جیسے محلے کی اصلاحی کمیٹی کے ارکان کو نامزد کر کے، مقامی کونسلر کے ذریعے، یا اسلامی ریاست کے وضع کئے ہوئے کسی اور طریقے کے ذریعے سے بھی زوجین کی شکایات اور نزاعات دور کئے جا سکتے ہیں۔ اس تبدیل شدہ عمل میں ثالث کی ذمہ داریاں، اس کی صفات، کام مکمل کرنے کی مدت، کام مکمل کرنے کا طریق کار، ثالثوں (حکمین) کے فیصلوں کی قانونی حیثیت، ان کی حدود، ان سب چیزوں کا اعلان، اگر پارلیمنٹ کے کسی قانون کے ذریعے باقاعدہ طور پر کر دیا جائے تو یہ دور جدید میں اجماع ہی کی ایک شکل ہے، بشرطیکہ یہ قرآن و سنت کی مجموعی تعلیمات اور شریعت اسلامی کے مقاصد سے متصادم نہ ہو اور پارلیمنٹ کے باہر کے اہل علم بھی اس قانون کے خلاف لب کشائی نہ کریں کیونکہ پارلیمنٹ کا مکمل اتفاق رائے بھی اجماع نہیں کہلاتا۔

اسی طرح وراثت کے احکام ایسے دور میں نازل ہوئے جب افراد رضاکارانہ طور پر انہیں اپنے اوپر لاگو کر کے میت کے ترکوں کو جائز شرعی وارثوں میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔ موجودہ دور میں اسلام کا قانون وراثت اپنی پوری

جزئیات کے ساتھ معاشرے میں جاری نہیں ہے اور قانون میں سقم ہونے کی وجہ سے عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار ہو چکی ہے۔ اس صورت حال کے تدارک کے لئے اسلامی ریاست اگر اس طرح کی قانون سازی کرے کہ میت کی تدفین کے بعد مناسب مدت کے اندر منتخب بلدیاتی نمائندے کی موجودگی میں' یا دوسرے معززین کے سامنے میت کی تمام جائیداد شرعی وارثوں میں تقسیم کر دی جائے اور غیر منقولہ جائیداد کا اندراج متعلقہ عمال کے ذریعے وارثوں کے نام سرکاری کاغذات میں کر دیا جائے' تو یہ کارروائی قانون سازی بذریعہ اجماع ہی ایک شکل ہے۔

مذکورہ بالا اجماع کی مثال اسی طرح ہے جس طرح کسی ریاست کی پارلیمنٹ کوئی قانون منظور کر کے اس کی تنفیذ کے لئے قواعد (Rules) وضع کرنے کا اختیار انتظامیہ کو دے دیتی ہے۔ یہاں قرآنی حکم کی تنفیذ کے لئے ریاست قواعد بذریعہ اجماع وضع کر سکتی ہے۔

۲۔ نئے حالات کے مطابق شرعی احکام کی نئی تعبیر

تبدیل شدہ حالات کے مطابق نئے قوانین بھی اجماع کے ذریعے وضع کئے جا سکتے ہیں جیسے زکوۃ کی آمدنی کو خرچ کرنے کے لئے قرآن حکیم نے آٹھ مصارف (Heads) بتائے ہیں۔ جن میں سے ایک "مولفتہ القلوب" ہے۔ اس سے مراد ایسے لوگوں پر خرچ کرنا ہے جنہوں نے کوئی دوسرا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا ہو۔ یا وہ غیر مسلم ہیں جن کی تائید و نصرت اسلام کو درکار ہو۔ جو شخص اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرتا ہے وہ بعض حالات میں تو اپنا سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مناسب امداد کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کی آمدنی میں "تالیف قلب" کے نام سے ایک مد رکھی ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اس کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس لئے انہوں نے زکوۃ کے مال کو غیر مسلموں پر خرچ کرنے سے روک دیا۔ یہ اسی طرح ہے کہ کسی زمانے میں اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ اسلامی معاشرے میں سے غرباء اور مساکین ختم ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست کو غرباء اور مساکین پر خرچ کی جانے والی رقم بھی کسی اور جگہ خرچ کرنا پڑے گی۔ اجماع کے ذریعے اس طرح کا فیصلہ کرنا جائز ہے جو حالات کی تبدیلی کے مطابق شرعی احکام کی اس طرح تعبیر کرے کہ مقاصد شریعت پورے ہوتے رہیں۔

۳۔ شرعی مقاصد کی روشنی میں نئے مسائل پر قرآن و سنت کے احکام کی تنفیذ

قرآن و سنت کی تعلیمات اور شریعت کے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اجماع کے ذریعے نئی قانون سازی بھی

کی جا سکتی ہے۔ شارع حکیم (اللہ تعالیٰ) نے انسانی زندگی سے متعلق کئی امور میں خاموشی اختیار کی ہے۔ ایسے امور جن میں اللہ تعالیٰ نے سکوت اختیار فرمایا ہو' ان میں قانون وضع کرنے کا اختیار کچھ شرائط کے ساتھ انسانوں کو دے دیا گیا ہے۔ علم طب میں گراں قدر ترقی کی وجہ سے انسانی جسم کے بارے میں کئی انکشافات ہوئے ہیں' جیسے ایک انسان کا خون دوسرے انسان کو منتقل کیا جانا' انسانی اعضاء کی دوسرے انسان کو پیوندکاری' حیوانی جسم سے مفید اجزاء کا ان انسانوں کو انتقال' جن کے اعضاء ناکارہ ہو چکے ہوں' اور اولاد کی پیدائش کے لئے سائنسی آلات کا استعمال وغیرہ۔ یہ وہ امور ہیں جن کے بارے میں ہمیں قرآن و سنت سے صراحتاً" راہ نمائی نہیں ملتی۔ ایسے معاملات میں اجماعی فیصلوں کے ذریعے قانون سازی کی جا سکتی ہے۔ ایسے اجماع کی ایک مثال ہمیں حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں ملتی ہے جب انہوں نے تجارتی مقاصد کے لئے رکھے جانے والے گھوڑوں اور سمندری پیداوار' عنبر وغیرہ پر زکوۃ نافذ کر دی تھی۔ اس سے قبل نہ یہ مسائل سامنے آئے تھے' اور نہ ان اشیاء پر زکوۃ نافذ تھی۔

۴۔ صحابہ کرام کی آراء میں سے کسی ایک رائے کی دوسری رائے پر ترجیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور تعلیمات پر آپ کے اصحاب نے کئی وجوہ کی بناء پر مختلف انداز میں عمل کیا۔ کہیں مزاج اثر انداز ہوا' اور کہیں فہم میں صحابہ کرام کا مختلف ہونا اختلافات کا سبب بنا اور کہیں ایک صحابی کو حضور کا ایک عمل معلوم ہوا' اور دوسرے کو کوئی دوسرا عمل پتہ چلا۔ دونوں اپنے اپنے طریقوں پر عمل کرتے رہے۔ ان مختلف اعمال کو بعد میں آنے والوں نے بھی اختلافات کے ساتھ اختیار کیا۔ یہاں سے اختلافات کی ابتداء ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور حکومت میں شراب نوشی کی سزا چالیس دُرّے تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دروں کی سزا دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں یہ تعداد بڑھا کر اسّی دُرّے کر دی۔ حضرت عثمانؓ حالات و واقعات کے مطابق دونوں پر عمل کرتے رہے۔ حضرت علیؓ کے خیال میں بھی اس کی سزا چالیس دُرّے ہی تھی(۷)۔ یہ دونوں عمل بعد میں آنے والوں کے لئے یہ اصولی ہدایت فراہم کرتے ہیں کہ اولی الامرؒ معقول شرعی اور عقلی دلائل کی بنیاد پر' اصحاب رسول کے فیصلوں اور آراء میں سے کسی ایک کو اپنے حالات کے مطابق ترجیح دے سکتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جدید دور میں بعض اصحاب نے صحابہ کرام کے اس نوعیت کے بعض فیصلوں کی بنیاد پر، جو ان کی نظر میں شرعی تبدیلیاں کہلاتے ہیں، اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اسلامی ریاست کے ارباب حل و عقد قرآن و سنت کے احکام میں بذریعہ اجتہاد تبدیلی کرنے کے مجاز (Authorised) ہیں۔ بعض اصحاب نے تو محض واقعاتی شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اجتہاد کے عمل کے ذریعے جدید دور میں ہر طرح کی قانون سازی کرنے کا، اور ضرورت پڑنے پر شرعی احکام میں تبدیلیاں لانے کا یہ اختیار مطلق اور بے تحدید ہے۔ یہ رائے کئی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ اس ضمن میں تین باتوں کا پیش نظر رکھا جانا بہت اہم ہے۔

اولاً" یہ کہ محض واقعاتی شواہد پر کسی ایسی رائے کا اظہار نہیں کیا جا سکتا جو واقعہ کے پس منظر میں کار فرما روح کے مطابق نہ ہو۔ بلکہ یہ دیکھا جانا بہت اہم ہے کہ وہ واقعہ کن حالات میں پیش آیا، اور اس کے پیچھے کیا روح کارفرما تھی اور ویسے ہی حالات اگر دوبارہ پیدا ہو جائیں تو سابقہ اجماعی فیصلے پر عمل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ لیکن اس بات کو بنیاد بنا کر جملہ قانون سازی کا اختیار حاصل کرنا غلط ہے۔ جیسے مولفتہ القلوب کے بارے میں دی گئی مثال میں حضرت عمرؓ کا عمل حالات کا منطقی رد عمل تھا نہ کہ نئے سرے سے قانون سازی۔ یہ ظاہر بات ہے کہ جب غیر مسلموں کی تالیف قلب کے لئے رقم رکھنا نامناسب ہو تو یہ رقم کہیں اور صرف کی جا سکتی ہے۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے شرعی احکام کو تبدیل کر دیا۔

ثانیاً" یہ کہ ایسے اجماع میں شریعت اسلامی کے مقاصد سے متصادم کوئی صورت اختیار نہ کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے جب تجارتی مقاصد کے لئے پالے جانے والے گھوڑوں اور سمندری پیداوار پر زکوۃ عائد کی تو یہ اجتہاد اس الٰہی منشا کے عین مطابق تھا کہ لوگوں کے اموال کو پاک کیا جائے۔ اس فیصلے کو ہم شریعت سے متصادم اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں اگر حضرت عمرؓ نعوذ باللہ نصاب زکوۃ یا مدت میں، جس کے بعد زکوۃ فرض ہوتی ہے، کمی بیشی کرتے۔ موجودہ دور میں کمپنیوں کی آمدنی، اور حصص پر زکوۃ کا مسئلہ اس کی ایک مثال ہے۔

ثالثاً" یہ کہ اجماع کے عمل میں حصہ لینے والے افراد وہی ہو سکتے ہیں جو خاص طرح کے کچھ اوصاف کے مالک ہوں۔ اور مناسب شرائط پوری کرتے ہوں۔ صرف اعتقادی لحاظ سے اسلام کو بطور مذہب اختیار کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے عملی تقاضے پورے کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کی تفصیل پانچویں باب میں آرہی ہے۔

اسلامی ریاست میں اجماعی فیصلوں کی قانونی حیثیت

نظری اعتبار سے فقہاء کے خیال میں اجماع کا تعلق عام طور پر ماضی سے ہے۔ حال کے بارے میں کسی معاملہ پر فقہاء مجتہدین کا اجماع ثابت کرنا دشوار ہے۔ تاہم ممکنہ حد تک اگر امت مسلمہ کے مجاز ارباب حل و عقد کسی معاملے میں ایک متفقہ فیصلہ کر لیں تو وہ فیصلہ درست اور قانونی متصور ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کا قول اور عمل قرآن و سنت سے انحراف ہوتا ہے۔ یہی سورۃ النساء کی آیت ۵۹ کا منشا ہے جس میں قرآن و سنت کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ آیت کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ حکم دینے کا انداز مشورے کا سا نہیں ہے کہ سننے والے کا جی چاہے تو اسے مان لے' اور مرضی ہو تو اپنی پسند کے مطابق عمل کرے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ "اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو" ان الفاظ میں یہ بات کہی جارہی ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتا ہو' اس کے لئے ان احکام پر عمل کرنا لازم ہے۔ آیت کے اس حصے میں اللہ اور روز آخر کا ذکر کر کے بالواسطہ طور پر یہ تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم نے ایسا نہ کیا تو روز آخر کو اللہ کے ہاں جواب دہی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس لئے اس تشریح کے بعد یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ اجماعی فیصلے کو قرآن و سنت کی منظوری حاصل ہوتی ہے۔

مقامی اور کسی خاص وقت تک قابل عمل رہنے والے اجماعی فیصلوں کا معاملہ البتہ دوسرا ہے۔ جیسے موجودہ دور میں زکوۃ کی آمدنی میں غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے رقم مختص کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اب غلامی کا ادارہ ہی ختم ہو چکا ہے۔ اب یہ رقم دوسرے مصارف پر خرچ کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر محسوس ہو کہ دنیا کے کسی حصے میں غیر مسلموں کی تالیف قلب کے لئے زکوۃ کی آمدنی میں سے مناسب رقم مختص کرنا ضروری ہے تو اجماع کے ذریعے حضرت عمرؓ کی یہ کالعدم کردہ مد بحال کی جا سکتی ہے۔ علی ہذاالقیاس آئندہ کسی دور میں تبدیل شدہ حالات میں نئے اجماع کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت کے مجاز اولی الامر کوئی نیا فیصلہ بھی کر سکتے ہیں۔

اجماع کی اقسام

اجماع کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم کو اجماع صریح یا نطقی کہتے ہیں۔ اس قسم کو اجماع حقیقی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اجماع کی یہ قسم اجماع صریح ہی کہلاتی ہے۔ دوسری قسم کو اجماع سکوتی کہتے ہیں۔ اس سے مراد (Tacit Consent of Jurists) ہے۔ اجماع کی ان دونوں اقسام کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ اجماع صریح یا نطقی

اجماع صریح سے مراد یہ ہے کہ امت مسلمہ کو درپیش کسی مسئلہ پر مجتہدین امت' صراحت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ اس قسم کو نطقی اجماع اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مجتہدین اپنی رائے کو نطق یعنی بذریعہ کلام ظاہر کرتے ہیں۔ یہاں پر نطق کا لفظ لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد زبان سے بول کر ہی اپنی رائے کا اظہار کرے بلکہ وہ تمام ذرائع بھی' جو کلام کی تعریف میں آتے ہیں' نطق کہلاتے ہیں۔ جیسے مجتہدین کی کسی مجلس میں ایک مسئلہ زیر بحث آئے' اور حتمی رائے (Conclusion) کا اظہار کوئی ایک صاحب کریں' باقی حاضرین ہاتھ اٹھا کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے اپنی تائید کا اظہار کریں' تو اصطلاح میں یہ اجماع صریح کہلاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس مجلس میں خاموش رہ کر اختلاف نہ کرنے والوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ انہوں نے فیصلے کے حق میں رائے دی ہے۔ ان کی اس خاموشی کو بھی صراحت کہا جاتا ہے۔

اجماع سکوتی اور اس کے بارے میں فقہاء کی آراء

سکوت کے معنی خاموشی ہیں۔ اجماع سکوتی سے مراد یہ ہے کہ کسی زیر بحث معاملہ میں اہل نظر کے اتفاق سے کوئی رائے یا فیصلہ شائع (مشہور) ہو جائے' اس فیصلے یا رائے کی اطلاع دوسرے مجتہدین کو ملے' وہ خاموشی اختیار کریں' خود کچھ نہ کہیں' نہ تو اپنی تائیدی رائے سامنے لائیں' اور نہ اس پر نقد و جرح کریں۔ ایسی صورت میں موخرالذکر مجتہدین کے اجماع کو اجماع سکوتی کہتے ہیں۔ اگر مجتہدین کی کسی متفقہ رائے کا علم دوسرے مجتہدین کو ہوا اور وہ بھی اس کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کریں تو یہ اجماع سکوتی کی بجائے اجماع صریح کہلاتا ہے۔

اجماع سکوتی کے شرعی مقام اور مرتبہ میں علمائے امت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں علماء کے پانچ مکاتب فکر ہیں(۸) جو درج ذیل ہیں۔

پہلا مکتب فکر

یہ مکتب فکر امام شافعی' امام مالک' امام باقلانی اور امام عیسیٰ بن ابان کا ہے۔ ان علمائے امت کا خیال ہے کہ اجماع سکوتی نہ تو اجماع ہے اور نہ اسے حجت (دلیل) قرار دیا جا سکتا ہے۔

دوسرا مکتب فکر

امام احمد اور اکثر فقہاء احناف کا یہ خیال ہے کہ اجماع سکوتی بھی اجماع صریح کی طرح نہ صرف اجماع ہے، بلکہ یہ حجت (دلیل) بھی ہے۔ یہ رائے پہلے مکتب فکر کی رائے کی ضد ہے۔

تیسرا مکتب فکر

اس مکتب فکر کی نمائندگی ابوعلی الجبائی کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں کسی رائے کے مشہور ہو جانے کے بعد دوسرے علماء کا سکوت ان کے زمانے میں اجماع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی وفات کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان علماء نے اس مسئلہ پر سکوت اختیار کیا تھا۔ اس لئے ان کی رائے اجماع سکوتی کے ضمن میں آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ صراحتاً اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہوں، وہ اس زیر بحث معاملے پر خوب مطالعہ اور تحقیق کر چکے ہوتے ہیں، مسئلہ کی تمام جزئیات مکمل طور پر ان کے سامنے آچکی ہوتی ہیں۔ لیکن جو لوگ خاموش رہیں ان کی خاموشی کو اجماع کی نسبت دینا درست نہیں ہے، ممکن ہے کہ وہ بھی مطالعہ و تحقیق کے مرحلے سے گزر رہے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی کسی نتیجہ پر نہ پہنچے ہوں یا متردد ہوں اور رائے کے اظہار کو فی الوقت مناسب خیال نہ کرتے ہوں۔ لہٰذا ان کا سکوت اجماع سکوتی نہیں کہلا سکتا۔

چوتھا مکتب فکر

اجماع سکوتی کے بارے میں ایک رائے ابن حاجب، مشہور حنفی فقیہ امام کرخی، ابوہاشم بن ابی علی اور آمدی کی ہے۔ ان علماء کے خیال میں اجماع کی یہ قسم اجماع قرار نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اسے بطور دلیل اختیار کیا جا سکتا ہے۔

پانچواں مکتب فکر

پانچویں رائے ابن ابی ہریرہ کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جن لوگوں سے اجماع کا صدور ہوا ہو وہ حکومتی اختیارات اور مناصب رکھتے ہوں تو سکوت اختیار کرنے والوں سے اجماع سکوتی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اجماع صریح ان لوگوں کی طرف سے ہو جو حکومتی مناصب و اختیارات سے خالی ہوں تو پھر ابن ابی

ہریرہ کی رائے بھی وہی ہے جو دوسرے مکتب فکر کی ہے' یعنی ایسا اجماع' اجماع بھی ہے اور اسے بطور دلیل (حجت) بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی یہ رائے اس لئے ہے کہ امت کے اجتماعی فیصلے ہر طرح کے خوف' ڈر' لالچ' ترغیب' تحریص اور ترہیب سے آزاد رہ کر ہوں۔

اجماع سکوتی کی شرائط

وہ مکتب فکر جو علماء کے سکوت کو اجماع قرار دیتا ہے ' اس کے خیال میں اجماع سکوتی کے لئے پانچ شرائط ضروری ہیں۔ اجماع سکوتی میں یہ شرائط نہ پائی جائیں تو ایسا اجماع نا معتبر ہوتا ہے۔ یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سکوت میں کسی نہ کسی طرح کی تائیدی' یا اگر مطلوب ہوں تو تردیدی' علامات کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ جو مجتہدین' اجماع صریح کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہوں ان کی رائے کو باقی معاصرین اہل نظر اور اہل علم تک پہنچانے کا مناسب بندوبست بھی ہو۔ جیسے آج کے دور میں یہ مقصد ذرائع ابلاغ کے ذریعے اور تحقیقی و علمی مجلّات میں کسی مجتہد کی رائے کی اشاعت سے پورا ہو سکتا ہے۔

۳۔ مجتہدین کی ایسی آراء کے ابلاغ کے بعد معقول مدت تک ' جو غور و فکر اور بحث و تمحیص کے لئے ضروری ہو' انتظار کیا جائے تاکہ باقی مجتہدین کو اپنی رائے کے اظہار کے لئے مناسب ذرائع اور مواقع مل سکیں۔

۴۔ ضروری ہے کہ بحث و تمحیص اور آراء کا اظہار اجتہادی امور کے بارے میں ہو' افراد کا کوئی گروہ یا کم علم لوگ طے شدہ امور پر بے مقصد یا منفی مقاصد کے حصول کے لئے بحث کر رہے ہوں تو ایسے کم علم افراد کے جواب میں سکوت' اجماع کی تعریف میں نہیں آتا۔ فقہی قاعدہ ہے "الاجتہاد لایعارض النص" یعنی "اجتہاد نص صریح (قرآن و سنت) کے مقابل نہیں ہو سکتا" یہ صورت حال آج کل کے اخبارات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۵۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اجتہادی مسائل پر دی گئی آراء پر دوسرے مجتہدین کا سکوت تمام رکاوٹوں سے مبرا ہو اور آراء کسی مصلحت کی وجہ سے نہ ہوں۔ اہل علم اس وجہ سے سکوت اختیار نہ کرتے ہوں کہ انہیں بولنے پر حاکم وقت کے عتاب کا خوف ہو یا کسی زیر بحث قانون کے بارے میں مجتہدین کو اتنا کم وقت دیا جائے کہ وہ اس پر غور ہی نہ کر سکیں یا تحقیقی مجلّات بغیر کسی معقول اور شرعی عذر

کے کسی مسلمہ اہل علم کی رائے کو شائع کرنے سے گریزاں ہوں تو علماء کا سکوت اجماع کی تعریف میں نہیں آتا۔

دوسرے قوانین میں اجماع کا تصور

اجماع ایک ایسی اصطلاح ہے جو اسلامی شریعت میں کثرت استعمال کی وجہ سے عوام و خواص میں رائج ہو گئی ہے۔ تصورِ اجماع درحقیقت کوئی انوکھا یا نیا نہیں جو صرف شریعت اسلامی ہی نے اختیار کیا ہو' بلکہ دنیا کے ہر نظام قانون میں یہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور ملتا ہے' حتیٰ کہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ دنیا کے دوسرے نُظم ہائے قانون' قانون سازی کا آغاز ہی اجماع سے کرتے ہیں تو بے جا نہ ہو گا۔ شریعت اسلامی نے کسی مقام پر انفرادیت اختیار کی ہے تو یہ ہے کہ دوسرے نظم ہائے زندگی تو اپنے لئے قانون سازی مطلقاً" اجماع یا اس سے کم تر درجوں کے ماخذ قوانین' جیسے استحسان (Epiekeia) اور (Aquita)' رسم و رواج (Custom)' روایات (Traditions) ججوں کے فیصلے (Precedents)' مسلمہ شخصیتوں کی آراء' اور ملکی قانون سے کرتے ہیں جب کہ شریعت اسلامی اجماع سے پہلے دو اور مآخذ قانون کو قانون سازی کی اصل قرار دیتی ہے۔ دنیا کے ہر نظام میں جس طریقے سے قانون سازی کا آغاز کیا جاتا ہے اسے اس نظام کے حوالے سے چاہے کوئی بھی نام دیا جائے' اس کا تصور اجماع جیسا ہی ہوتا ہے۔ جمہوری ملکوں میں پارلیمنٹ اور یک جماعتی نظام حکومت والے ممالک میں ان کے قانون سازی کے اعلیٰ اختیاراتی ادارے کے ارکان اس ملک کے اہل حل و عقد کہلاتے ہیں۔ کوئی معاملہ غور کے لئے جب ان کے سامنے آتا ہے تو سب مل کر اس پر بحث کرتے ہیں۔ اس کے بعد مسئلہ کی نوعیت کے مطابق اسے ماہرین پر مشتمل متعلقہ مجلس قائمہ (Standing Committee) کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو معاملہ کے ہر پہلو کا جائزہ لیتی ہے۔ تمام جزئیات طے کرنے کے بعد اپنی سفارشات کے ساتھ مجلس اس مسودہ قانون کو دوبارہ ایوان میں پیش کرتی ہے۔ ایوان میں کی گئی بحث کی روشنی میں اس مسودہ قانون کو قانونی شکل دے دی جاتی ہے۔ یہ عمل تقریباً وہی ہے جو شریعت اسلامی میں اجماع کے انعقاد کے وقت ہمیں نظر آتا ہے' اگرچہ اجماعی عمل اس قدر میکانکی نہیں تاہم حتمی نتائج کے اعتبار سے ان دونوں طریقوں میں یکسانیت ہے۔ عدالتوں یا عدالتی بنچوں میں وہی فیصلہ فیصلہ کہلاتا ہے جسے ججوں کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔ چاہے یہ اکثریت محض ایک فرد کی رائے سے قائم ہو۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسرے نظام ہائے زندگی میں نہ صرف اجماع کا تصور اصولی لحاظ سے اپنی تبدیل شدہ

شکل میں موجود ہے بلکہ ان نُظم ہائے قانون میں نامکمل اجماع (سادہ اکثریت) کو بھی بطور ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے جب کہ شریعت اسلامی میں مکمل اجماع کے ذریعے ہی کسی رائے کو قانون کہا جا سکتا ہے۔

صحابہ کرام کے چند اجماعی فیصلے

صحابہ کرام جو رسول اللہ سے براہ راست فیض یاب ہوئے' سب سے زیادہ مزاج شناس رسول تھے۔ انہوں نے تبدیل شدہ حالات میں کئی اجماعی فیصلے کئے جن میں سے چند فیصلے بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دور حکومت میں شراب نوشی کی سزا چالیس دُرّے مقرر کی' جسے تمام اصحاب رسول کی تائید حاصل تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں یہ تعداد بڑھا کر اسی دُرّے کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے اس سزا کو مختلف حالات کے مطابق رائج کیا۔ وہ سزا دیتے وقت جرم کی نوعیت و ماہیت کو دیکھا کرتے تھے۔ یہ سب تبدیلیاں صحابہ کرام کے مشورے اور ان کی تائید سے ہوئیں جسے اصطلاح میں صحابہ کرام کا اجماع کہا جاتا ہے۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دور میں جنگی فتوحات کے بعد مفتوحہ زمینیں' مجاہدین میں مالکانہ حقوق کے ساتھ تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ لیکن ایسا کرنے کے لئے انہوں نے کوئی حکم نہیں دیا۔ اس لئے یہ سمجھ لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ایسا کرنا محض ایک انتظامی ضرورت تھی' کوئی شرعی قاعدہ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی پر عمل کیا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں محسوس کیا کہ مجاہدین میں مفتوحہ زمینوں کی تقسیم اب مملکت کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے اصحاب رسول کے مشورہ سے آئندہ کے لئے یہ طے کیا کہ مفتوحہ اراضی مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے اب اسلامی حکومت کے تصرف میں رہے گی۔ ریاست ہی اس کا بندوبست کرے گی اور حسب ضرورت یہ زمینیں مستحق لوگوں میں مختلف معیارات کے لحاظ سے تقسیم کی جائیں گی۔ اس فیصلے کو صحابہ کرام کے مشورہ سے طے کیا گیا تھا اور سب نے اسے قبول کیا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں مختلف النوع وجوہ کے باعث مدینہ شہر میں بہت وسعت پیدا ہو گئی۔ مسجد نبوی میں' جسے شہر کی مرکزی جامع مسجد ہونے کا مقام حاصل تھا' نماز جمعہ کی اذان ہونے پر مسلمانوں کے لئے ممکن نہ رہا کہ وہ قرآن کے تقاضے کے مطابق اذان سنتے ہی کاروبار سمیٹیں اور مختصر وقت میں خود کو نماز جمعہ کے لئے کماحقہ تیار کر سکیں۔ خاص طور پر مسجد نبوی سے زیادہ دور رہنے والے مسلمان اس مشکل کو بہت محسوس کرتے تھے۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے لئے تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان

غنی نے اپنے دور خلافت میں نماز جمعہ کے لئے دو اذانیں جاری کروا دیں۔ اس طرح پہلی اذان کے بعد مسلمان اپنے کاروبار بند کر کے نماز جمعہ کے لئے تیار ہو کر خطبہ جمعہ سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جاتے تھے۔ اس تبدیلی کو تمام صحابہ کے مشورے سے رائج کیا گیا اور کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ یہ بھی صحابہ کرام کا ایک اجماعی فیصلہ ہے۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مسلمان کے گھوڑے" پر زکوۃ معاف کر دی تھی۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کے مشورے سے یہ چھوٹ صرف اس گھوڑے کے لئے رکھی جو جہاد کے مقصد کے لئے مسلمان اپنے تصرف میں رکھتے تھے۔ رہے تجارتی مقاصد کے لئے پالے جانے والے گھوڑے، تو ان پر حضرت عمرؓ نے زکوۃ عائد کر دی۔ اس تبدیلی کو تمام صحابہ کی تائید حاصل تھی۔ اہل ظاہر کے ایک مختصر گروہ کو چھوڑ کر، جمہور علمائے امت کا اجماع و اتفاق اسی پر ہے۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلامی ریاست کی حدود مختصر تھیں۔ اس دور میں سمندر سے متعلق امور سامنے نہیں آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانے تک سمندری پیداوار کے بارے میں ہمیں آپ کی کوئی رائے (Ruling) نہیں ملتی۔ بعد میں جب سلطنت کی حدیں سمندر سے جا ملیں، تو حضرت عمر نے اپنے زمانے میں سمندری پیداوار پر بھی زکوۃ عائد کر دی اس اجماعی فیصلے کو بھی صحابہ کی تائید حاصل تھی۔

اس طرح کے کئی اور فیصلے بھی صحابہ کرام کے زمانے میں ہوئے جنہیں صحابہ کرام کے مشورے اور تائید کے بعد اختیار کیا گیا۔ خصوصاً حضرت عمرؓ کے دور میں تو ایسی بہت مثالیں ملتی ہیں۔

اجماعی فیصلوں کی تنسیخ بذریعہ اجماع جدید

کسی زمانے میں مجتہدین کا کسی مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو کیا کوئی نیا اجماع اسے منسوخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اور دونوں کے بارے میں الگ الگ آراء ہیں۔

ا۔ اجماعی فیصلوں میں اختلاف

ایک صورت یہ ہے کہ مجتہدین کسی مسئلہ پر اتفاق کریں اور اجماع منعقد ہو جائے پھر انہی مجتہدین نے اپنا فیصلہ بدل کر اسی مسئلہ پر نیا اجماعی فیصلہ دیا ہو۔ اس بارے میں دو مکاتب فکر ہیں، جمہور علماء کے نزدیک ایک مسئلہ پر مجتہدین کے اجماع کے بعد ان مجتہدین کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے فیصلے کو تبدیل کریں کیونکہ اجماع ایک ہی

دفعہ منعقد ہوتا ہے اور پہلے فیصلے کے بعد وہ منعقد ہو گیا ہے جس کے بعد اس نے حجت قطعیہ (دلیل) کی شکل اختیار کر لی ہے۔ دوسرے مکتب فکر کے کچھ علماء کا خیال ہے کہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ نئے اجماع کی ضرورت پیش آئے تو وہی مجتہدین کوئی نیا فیصلہ بھی کرنے کے مجاز ہیں۔

۲۔ نئے مجتہدین کے ذریعے اختلاف

اجماعی فیصلوں کی تنسیخ بذریعہ اجماع جدید کی دوسری شکل یہ ہے کہ کسی اجماعی فیصلے کو کچھ دوسرے مجتہدین نے اسی زمانے میں منسوخ کیا ہو۔ یہ شکل مزید دو صورتوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مجتہدین کا کسی مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہو' اور مجتہدین ہی کی ایک دوسری جماعت کسی مختلف رائے کا اعلان کرے۔ یہ صورت جمہور علماء کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ان کے خیال میں ایک وقت میں دو مختلف اجماع ممکن نہیں ہیں کیونکہ یہ بات اجماع کے بنیادی تصور ہی سے متصادم ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی اجماع درست ہو' اور دوسرا غلط۔ ایک کو لازماً" حق اور دوسرے کو باطل قرار دینا پڑے گا' اور جو چیز باطل ہے وہ اجماع نہیں ہو سکتی۔ لیکن بعض علماء نے اس بابت ایک درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا کہ موخرالذکر مجتہدین کو کوئی ایسی دلیل ملی ہو جو اول الذکر مجتہدین کی نظروں میں آنے سے رہ گئی ہو' تو اس کی روشنی میں نیا اجماع بھی ممکن ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو اجماع کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

اس نوع کے اجماع کی دوسری شکل یہ ہے کہ مجتہدین کسی معاملہ پر اتفاق کر لیں بعد میں آنے والے مجتہدین اس مسئلہ پر کسی نئی رائے کا اظہار کریں' اور سابقہ فیصلہ تبدیل ہو جائے۔ یہ صورت حال اسی طرح ممکن ہے کہ سابقہ تاویلات کے مقابلہ میں نئی تاویلات کے ساتھ اجماع کیا جائے(۹)۔

اجماع موجودہ دور میں

موجودہ دور میں اجماع کا انعقاد کیسے ہو؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اجماع کے بارے میں یہ وضاحت کر دی جائے کہ اجماع صرف کسی پارلیمنٹ کے فیصلے کا نام نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ کسی اسلامی ریاست کی پارلیمنٹ کی کوئی قانون سازی' قرارداد' یا رائے اجماع کی ایک شکل تو ہو سکتی ہے' لیکن محض اسی کو اجماع سمجھ لینا درست نہیں ہے۔ اجماع ایک مسلسل عمل کا نام ہے۔ کسی مسئلے پر اس کا دورانیہ مختصر ہو سکتا ہے' اور دوسرے کسی معاملے میں اجماع کے لئے اولی الامر کو طویل فکری مشقت کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی

ممکن ہے کہ کوئی اجماع ایک خطہ ارضی کے مسئلے کے بارے میں ہو اور کوئی دوسرا اجماع اسی خطہ ارضی کے علماء کے لئے بالکل بے معنی ہو۔ مقامی رسم و رواج' بود و باش' لباس' جدید ایجادات اور بہت سے دوسرے عوامل' اجتہاد کے عمل میں پیش نظر رکھے جاتے ہیں۔ ان عوامل کے اختلاف کی وجہ سے اجماع کے طریق کار' اس کی مدت اور مجتہدین کی مطلوبہ شرائط و اوصاف مختلف ہو سکتے ہیں۔ قطبین پر' جہاں سورج کبھی بہت مختصر وقت کے لئے طلوع ہوتا ہے' نماز کے اوقات کے بارے میں مسائل سامنے آنے پر علمائے امت نے اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا اور مناسب کسر و انکسار کے بعد چند ممکنہ صورتیں تجویز کیں' یہ مسئلہ کسی پارلیمنٹ کے اندر زیر بحث لانے کا نہیں ہے۔ اسی طرح موجودہ دور میں غلامی کی کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ زکوۃ کے آٹھ مصارف میں سے وہ مد ختم کی جائے جو غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے مختص کی گئی ہے۔ فرض کیجئے کسی اسلامی ریاست میں کچھ رقم بطور زکوۃ اکھٹی ہوتی ہے' غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے مختص رقم کے ختم کرنے کے بعد بقیہ رقم سات مدوں میں کیسے تقسیم ہو' مقامی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا فیصلہ ہر ملک کے لئے مختلف ہو سکتا ہے۔ کفار سے حالت جنگ میں رہنے والی ریاست زیادہ سے زیادہ رقم جہاد پر خرچ کرے گی' اور وہ ملک جہاں امن سکون ہے وہ اس رقم کا زیادہ حصہ رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرے گا۔ خرچ کے تناسب کا فیصلہ متعلقہ اسلامی ملک کی پارلیمنٹ کے ذریعے بھی ممکن ہے اور علماء کی کوئی مجلس بھی اس کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

شوریٰ اور اجماع میں فرق

بعض اصحاب' شوریٰ اور اجماع میں فرق ملحوظ نہ رکھتے ہوئے دونوں میں خلط مبحث کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک پارلیمنٹ' اسمبلیوں اور مجلس شوریٰ وغیرہ کا نظام' قرآن مجید کے حکم شوریٰ کی ذیل میں آتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت قرآن مجید میں اجماع کا نہ کہیں صراحتاً" ذکر ہے' اور نہ اس کا تعلق شوریٰ سے ہے بلکہ علماء اصول نے بعض آیات سے اجماع کے بارے میں استدلال کیا ہے اور ان کا استدلال کافی وزن دار ہے۔ وہ عصمت امت (امت کا معصوم ہونا) سے اجماع کی دلیل اشارۃ" نکالتے ہیں۔ امام شافعی نے سوال اٹھایا ہے کہ مجتہدین کا تو کسی مسئلہ پر کلّی اتفاق موجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے اجماع کہاں رہا؟ اور یہ کہ معصوم تو پوری امت کو مانا گیا ہے نہ کہ چند لوگوں کو۔ اس بناء پر انہوں نے خود ہی اجماع کو خاصہ اور عامہ میں تقسیم کیا ہے۔ عامہ سے مراد اجماع امت ہے۔ خاصہ سے مراد اجماع مجتہدین ہے۔ نیز اجماع مجتہدین کی حیثیت اجماع امت کی سی ہے بھی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اجماع سے مراد عموماً ماضی کے اجماعات لئے جاتے ہیں- اس لئے بعض علماء اصول نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ صحابہ کے بعد اجماع کا انعقاد ممکن ہے بھی یا نہیں؟ اس میں بھی دو آراء ہیں- اسی لئے اجماع کی تنسیخ کا مسئلہ اصولیین کے درمیان نزاعی رہا ہے- صرف امام بزدوی اس کے قائل ہیں (کہ ایک اجماع، بعد کے کسی اجماع کے ذریعے منسوخ ہو سکتا ہے) انہوں نے بھی اس کے لئے بعض شرائط عائد کی ہیں- اس لئے پارلیمنٹ وغیرہ کے سلسلہ میں اجماع کا اطلاق درست نہیں ہے-

اجماع کو ایک تائیدی، توکیدی، یا توثیقی (Confirmatory) ماخذ کہا گیا ہے- اسمبلیوں میں کچھ افراد کے بنائے ہوئے قوانین اجماع نہیں کہلاتے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ امت مسلمہ ان قوانین کو دلائل کی بنا پر تسلیم کرتی ہے یا مسترد کر دیتی ہے- اس لئے اجماع ان قوانین کو امت کے ماننے کا نام ہے نہ کہ کچھ افراد کے اتفاق کا-

کیا قانون سازی بذریعہ مجلس شوریٰ اجماع ہے

تاہم کسی اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کی طرف سے کوئی منظور شدہ قانون بھی اس صورت میں اس ریاست کی حد تک، اجماع کی حیثیت رکھتا ہے جب اس مجلس کے ارکان کی معتدبہ اکثریت "فقہاء عابدین" کا درجہ رکھتی ہو، وہ نہ صرف اپنے علم و فضل کے اعتبار سے فہم دین رکھتے ہوں، بلکہ تقویٰ کی صفت کے حامل بھی ہوں- علامہ ابن قیم اپنی شہرہ آفاق تصنیف اعلام الموقعین (جلد اول) میں رقم طراز ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کوئی ایسا کام آپڑے جس میں نہ قرآن کی کوئی آیت اتری ہو، نہ آپ کی کوئی سنت جاری ہوئی ہو تو کیا کیا جائے- آپ نے فرمایا اس کے لئے فقہاء عابدین کو جمع کرو اور آپس میں مل کر مشورے سے طے کرو، صرف شخصی رائے سے کام نہ کرو-

اگر مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) یہ خصوصیت نہیں رکھتی تو اس کا منظور شدہ کوئی قانون اجماع کی حیثیت نہیں رکھتا- اگر مجلس شوریٰ یہ خصوصیت رکھتی ہے تو بھی یہ ضروری ہے کہ مجلس شوریٰ سے باہر علماء و فقہاء بھی اس قانون سے متفق ہوں، ورنہ اجماع کی شرائط پوری نہیں ہوں گی، مجلس شوریٰ سے باہر کے علماء و فقہاء کا اتفاق اس لئے بھی ضروری ہے کہ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں عوام کے نمائندے عوام کی خواہشات کا خیال تو رکھ سکتے ہیں لیکن جب تک اللہ کے دین کے تقاضوں کا خیال نہیں رکھتے ان کا مکمل اتفاق رائے بھی اسلامی قانون کی حیثیت نہیں رکھتا- اسی لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے-

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام ' ۶ : ۱۱۹)

اور اکثر لوگ علمی قابلیت حاصل کئے بغیر محض اپنی خواہشات پر چلتے ہوئے دوسروں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور اگر تم (اللہ کے قانون کے مقابلے میں) ملک کی اکثریت کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دے گی۔

لہٰذا مجلس شوریٰ (قانون ساز مجلس) کا مکمل اتفاق رائے سے منظور شدہ قانون بھی صرف اسی صورت میں اجماع کی حیثیت رکھے گا' جب:

(۱) مجلس شوریٰ کے تمام اراکین دینی علم اور فہم رکھتے ہوں' اور تمام اراکین اتفاق رائے سے وہ قانون منظور کریں۔

(۲) یہ اراکین محض عوام کی خواہشات ہی کو پیش نظر نہ رکھیں بلکہ قانون الٰہی کا تتبع بھی کریں۔

(۳) مجلس شوریٰ سے باہر کے علماء و فقہاء (اسلامی قانون کے ماہرین) کو بھی مجلس شوریٰ کے منظور شدہ قانون سے اتفاق ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ اصل مآخذ قانون صرف کتاب و سنت ہیں جن کی روشنی میں بنائے جانے والے قانون کی توثیق (Confirmation) اجماع کے ذریعے ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام

ایسے مسائل جن کا تعلق تمام امت سے ہے اور وہ نئی قسم کے حالات کے نتیجے میں سامنے آئے ہوں' طویل فکری بحث و مباحثے کا تقاضا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان و اقامت اور نماز تمام مسلمانوں کا مسئلہ تھا۔ اس پر علماء نے اپنی آراء دیں۔ بعد میں کئی علماء نے اپنی آراء سے رجوع بھی کر لیا۔ لیکن اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے نماز کو تمام امت کے علماء جائز قرار دیتے ہیں۔ یہی اجماع ہے۔

دوسری قسم میں وہ مسائل آتے ہیں جو کسی اصولی مسئلہ کو کسی ملک میں نافذ کرنے کے بارے میں ہوں' جیسے کسی ملک میں میت کے ترکے کو شرعی تقسیم کے اعتبار سے ورثا میں بانٹ دینے کا رضاکارانہ نظام نہ ہو تو وہاں کی

ملکی پارلیمنٹ اس بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں جبراً تنفیذی قوانین وضع کرنے کی مجاز ہے۔

جدید سائنسی اکتشافات نے البتہ اجماع کا عمل بہت آسان کر دیا ہے۔ کسی وقت علماء ہند کے خیال میں ایک مسئلے کا حل کسی ایک طریقے سے تھا' تو مراکش اور افریقہ کے علماء اس رائے سے ساری عمر باخبر ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ اب ٹیلی فون' ٹیلی پرنٹر' فیکس' ای میل اور مواصلاتی سیاروں کے ذریعے معلومات کا تبادلہ اور ابلاغ' بہت مختصر وقت میں کرہ ارض کے تمام حصوں میں ممکن ہو گیا ہے۔ مجتہدین بھی یہ ذرائع اپنی آسانی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ جس سے اجماع کا عمل آسان ہو سکتا ہے۔ حج کے موقع پر امت کے علماء مل بیٹھ کر بحث و نظر اور فکری ریاضت کے ذریعے بھی بہت سے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں' موجودہ دور میں امت کے مسائل کے حل کے لئے کئی مفید ادارے بھی تشکیل پا چکے ہیں' جیسے مجمع الفقہ' اسلامک کانفرنس' رابطہ عالم اسلامی' اور اسلامی کونسل برائے یورپ' بڑے مفید ادارے ہیں جو مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل کے لئے علماء کو مناسب مقام (Forum) مہیا کرتے ہیں۔ پاکستان کی حد تک اسلامی نظریاتی کونسل اس کی ایک مثال ہے۔

لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اجماع کسی میکانکی عمل کا نام نہیں ہے بلکہ امت مسلمہ کے ارباب حل و عقد کی گفتگوؤں' خط و کتابت' خطبوں (Lectures) بحث و نظر' مجالس مذاکرہ' تحریروں' فتووں' اور متفقہ قراردادوں کے نتیجہ میں' خلاصے کے طور پر سامنے آنے والی متفقہ رائے کو اجماع کہا جاتا ہے۔ پاکستان کے آئین میں پارلیمنٹ نے ایک ترمیم کے ذریعے ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کے دونوں گروہوں (لاہوری اور قادیانی) کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ ملکی پارلیمنٹ نے بذریعہ دستوری ترمیم کیا تھا لیکن اصل صورت یہ ہے کہ پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کر کے ایک خاص گروہ کے افراد کا ملکی قانون میں مقام و مرتبہ متعین کر دیا ہے۔ جہاں تک ایمان اور عقیدے کا تعلق ہے' تو اس سلسلے میں نبوت کے مدعی کے دعویٰ کرنے سے پہلے ہی تمام علمائے امت اس بات پر متفق تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور قطعاً ممکن نہیں ہے۔ اور کسی مدعی نبوت کے مقام و مرتبہ کا تعین کوئی اجتہادی مسئلہ بھی نہیں تھا کہ اس پر علماء امت تحقیق کرتے بلکہ نصوص قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ نبوت کا دروازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہو چکا ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ دستوری ترمیم پارلیمنٹ کی رائے کی صورت میں اجماع ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ نصوص قطعیہ کے بعد اجتہاد یا اجماع کی ضرورت نہیں ہوتی (الاجتہاد لایعارض النص)۔

مزید مطالعہ کے لئے

اس باب میں اجماع کے بارے میں چند اہم اور بنیادی باتیں بیان کی گئی ہیں اس بارے میں تفصیلی احکام اور مسائل جاننے کے لئے مندرجہ ذیل کتب مفید ہو سکتی ہیں۔

(۱) فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، محمد تقی امینی، مطبوعہ لاہور۔

(۲) جامع الاصول، ڈاکٹر احمد حسن، مطبوعہ لاہور۔

(۳) اجتہاد، محمد تقی امینی، مطبوعہ کراچی۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) النسائی، کتاب الصیام

(۲) عودہ، عبدالقادر: التشریع الجنائی الاسلامی، دارالکاتب العربی، ج ۱، ص ۱۷۹

(۳) الزحیلی: اصول الفقہ الاسلامی، دمشق، دارالفکر، ۱۹۸۶ء، ج ۱، ص ۵۱۸

(۴) ابن ماجہ: "السنن" ابواب فتن

(۵) العبدلی: "مرویات ابن مسعود فی الکتب الستہ و موطا و مالک و مسند احمد" جدۃ، دارالشروق، ۱۹۸۵ء، ج ۱، ص ۳۱۳

(۶) الشوکانی: "ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول" شیخوپورہ، المکتبہ الاثریہ، ۱۳۲۷ھ، ص ۸۳

(۷) ابوداؤد: "السنن" باب فی الحد فی الخمر

(۸) الزحیلی: حوالہ ایضا، ج ۱، ص ۵۵۲

(۹) تفصیل البزدوی کی "کشف الاسرار" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ ابن ماجہ : الحافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید (۲۷۵ھ) "السنن" استنبول' دارالدعوۃ' ۱۴۰۱ھ

۲۔ ابوداؤد : سلیمان بن الاشعث السجستانی (۲۷۵ھ) "السنن" استنبول' دارالدعوۃ' ۱۴۰۱ھ

۳۔ الزحیلی : وھبہ' ڈاکٹر' "اصول الفقہ الاسلامی" دمشق' دار الفکر' ۱۹۸۶ء

۴۔ الشوکانی : محمد بن علی بن محمد (۱۲۵۵ھ)' "ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول" شیخوپورہ' المکتبہ الاثریہ' ۱۳۲۷ھ

۵۔ العبدلی : الشریف منصور بن عون العبدلی "مرویات ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی الکتب الستہ و موطا و مسند احمد" دارالشروق' ۱۹۸۵ء' جلد اول' جدہ

۶۔ عودۃ : عبدالقادر' (۱۳۷۴ھ) "التشریع الجنائی الاسلامی" بیروت' دارالکاتب العربی

۷۔ النسائی : ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (۳۰۳ھ) "السنن الصغری" بشرح الحافظ جلال الدین السیوطی و حاشیہ الامام السندی' بیروت' المکتبہ العلمیہ۔

۸۔ البزدوی : ابی الحسن علی بن محمد بن حسین البزدوی (۴۸۲ھ) "کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی" کراچی' الصدف پبلشرز'

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

۱۔ اسلامی قانون کے ماٰخذ، ماخذ اول۔قرآن

۲۔ اسلامی قانون کے ماٰخذ، ماخذ دوم۔سنت

۳۔ اسلامی قانون کے ماٰخذ، ماخذ سوم۔اجماع

۴۔ اسلامی قانون کے ماٰخذ، ماخذ چہارم۔قیاس

۵۔ اجتہاد کی تعریف

۶۔ اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار

۷۔ دینی مسائل میں اختلاف، اسباب اور ان کا حل

۸۔ اسلام کا قانون نکاح وطلاق

۹۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت

۱۰۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ

۱۱۔ اسلام کا تصور ملکیت ومال

۱۲۔ اسلام کا تصور معاہدہ

۱۳۔ اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور

۱۴۔ مزارعت اور مساقات

۱۵۔ اسلام کا نظام محاصل

۱۶۔ اسلام کا نظام مصارف

۱۷۔ اسلام میں عدل وقضاء کا تصور

۱۸۔ اسلام کا نظام احتساب

۱۹۔ اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور

۲۰۔ اسلام کا تصور جرم وسزا

۲۱۔ اسلام کا فوجداری قانون

۲۲۔ اسلام کا دستوری قانون

۲۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک

۲۴۔ اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری